اردو میں مقبول عام ادب اور ابن صفی کی فکری و فنی انفرادیت

پروفیسر محمد کاظم

شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

تلخیص ؛ادب کے مطالعے کے بعد اس کی درجہ بندی تو معیاری اور غیر معیاری بنیاد پر ہونی چاہیے لیکن ہمارے ناقدین اور دانشوران نے بھی ادب کی تقسیم ادب عالیہ اور مقبول عام ادب کی بنیاد پر کی ہے۔ کیا مقبول عام ادب معیاری نہیں ہو سکتا ہے؟ یا جو سنجیدہ اور معیاری ادب ہے اس کو مقبولیت کا شرف حاصل نہیں ہو سکتا؟ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا کلاسیکی شعری ادب نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا میں کس قدر مقبول ہے۔ میرے خیال سے یہ درجہ بندی ادب کے لیے غیر فطری اور نامناسب ہے۔

کلیدی الفاظ: ناقدین، ادب عالیہ، برصغیر، مقبولیت، تاریخی، ابتدائی، مغربی ادب، داستان، دانشوران،

ادب کا بیشتر صنفی سرمائے مغربی ادب کے مرہون منت ہیں۔ بالخصوص نثری اصناف کا سلسلہ یوروپی ادب سے ملتا ہے۔ داستان، ناول، افسانہ، انشائیہ، خاکہ جیسی اصناف کے تاریخی مراحل اور ارتقائی سفر پر نظر ڈالنے سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے۔ مقبول عام ادب کی جانب اہل ادب نے کم توجہ دی اور لکھنے والوں کی تعداد بالمقابل دیگر اصناف کے کم ہی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حصّے میں مقبولیت تو خوب آئی لیکن وہ وقار حاصل نہیں ہوا جو بقول ناقدین و دانشوران ادب، ادب عالیہ کے حصے میں آئی۔

جب ہم مقبول عام ادب کے ابتدائی زمانے پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سلسلہ یا اصل ماخذ مغربی ادب ہی ہے۔ سموئل رچرڈسن (Samuel Richardson) کا ناول 1740 " Pamela or Virtue Rewarded" ہیں شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔ اس ناول کی اشاعت کے تقریباً دو سال بعد 1742 میں ہنری فیلڈنگ (Henry Fielding) کا ناول جوزف اینڈریوز (Andrews Joseph) شائع ہوا۔ اس ناول کی اشاعت کے ساتھ ہی مقبول عام ادب کا آغاز مانا جاتا ہے۔ اسی سے متاثر ہو کر اردو میں بھی اس طرح کے ناول کی شروعات ہوئی۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار، منشی سجاد حسین وغیرہ کے ناولوں میں مقبول عام ناول کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ لیکن باضابطہ طور پر عبدالحلیم شرر کے ناول "فردوس بریں" کو مقبول عام ادب کا اولین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس روایت کو آگے بڑھانے میں محمد علی طیب، راشد الخیری، صادق حسین سردھنوی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ ان بنیادوں پر نسیم حجازی اور ابن صفی نے وہ عمارت تعمیر کی جس کی بلندی کے سامنے بہت سے نام نہاد شمار کیے جانے والے افسانوی ادیب پستہ قد نظر آتے ہیں۔

ادب کی درجہ بندی ادب عالیہ، ادب ادنی یا مقبول عام ادب کی بنیاد پر سمجھ میں نہیں آتی۔ ادب کے مطالعے کے بعد اس کی درجہ بندی تو معیاری اور غیر معیاری بنیاد پر ہونی چاہیے لیکن ہمارے ناقدین اور دانشوران نے بھی ادب کی تقسیم ادب عالیہ اور مقبول عام ادب کی بنیاد پر کی ہے۔ کیا مقبول عام ادب معیاری نہیں ہو سکتا ہے؟ یا جو سنجیدہ اور معیاری ادب ہے اس کو مقبولیت کا شرف حاصل نہیں ہو سکتا؟ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا کلاسیکی شعری ادب نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا میں کس قدر مقبول ہے۔ میرے خیال سے یہ درجہ بندی ادب کے لیے غیر فطری اور نامناسب ہے۔

ہمارے ناقدین اور دانشوران نے اس موضوع پر اچھا خاصا وقت دیا ہے اور خاص و عام قارئین کی ذہن سازی بھی کی ہے اس لیے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ادب عالیہ کے ناول اور مقبول عام ناول میں وہ کون سے عناصر ہیں جن کی بنا پر دونوں ایک دوسرے سے الگ گردانے جاتے ہیں اور کن مقامات پر دونوں میں اشتراک ہے؟

ناول، وہ نثری قصہ ہے جس میں ہماری زندگی کی تصویر سازی کی سعی کی گئی ہو۔ ولادت سے موت تک انسان کو جو معاملات پیش آتے ہیں، جس طرح وہ حالات کو یا حالات اسے تبدیل کر دیتے ہیں وہ سب ناول کا موضوعات ہو سکتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ ناول ایک ایسا آئینہ خانہ ہے جس میں زندگی کے سارے روپ دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں جمیل جالبی لکھتے ہیں :

''نثری قصہ جس میں کم و بیش پیچیدہ پلاٹ کے ساتھ حق کی زندگی کے کردار، افعال اور مناظر پیش کیے جائیں''

(قومی انگریزی، اردو لغت، ص:1328)

انگریزی ناول کے عناصر اربعہ میں سے دوسرا عنصر ہنری فیلڈنگ (Henry Fielding) کے ہم عصر اسمولٹ ناول کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''ناول ایک پھیلی ہوئی بڑی تصویر ہے جس میں ایک مقررہ پلاٹ کے واضح کرنے کے لیے زندگی کے کردار مختلف جماعتوں کے ساتھ رکھ کر مختلف پہلوؤں سے دکھائے جاتے ہیں۔''

(بحوالہ اردو ناول کی تاریخ اور تنقید، علی عباس حسینی، ص:36)

اوپر پیش کی گئیں تعریف سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی نثری بیان والی تحریروں کو ناول کے زمرے میں رکھا جاتا ہے۔ انسان داستانوں کے فرضی واقعات اور مافوق الفطرت عناصر اور ان کرداروں سے لطف اندوز ضرور ہوتا ہے لیکن دلی تسلی اور دماغ کو سکون ان سے میسر نہ ہو پاتا اور ایک طرح کی بے چینی ان کے اندر ضرور ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ سائنسی ترقی نے ہر شے کو حقیقت کی کسوٹی پر پرکھنے اور اسے سمجھنے کا انسان کو شعور بخشا اور اس طریقے سے انسانوں کی دلچسپی فرضی واقعات سے کم ہوتی گئی اور ایسی کہانیوں نے جگہ بنالیں جو مبنی بر حقیقت ہوتیں۔ نتیجے میں ناول نے فکشن سے حقیقت کی جانب کوچ کرنا شروع کیا اور اب ناول میں خیالی دنیا اور مافوق الفطرت عناصر کے ساتھ سماجی حقیقت کے عناصر بھی شامل کیے جانے لگے اور اس طرح

ناول ترقی کی منازل طے کرتا چلا گیا۔ لیکن ساتھ میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ مقبول عام ادب اور ادب عالیہ یا سنجیدہ ادب میں کیا فرق ہے؟ جب کہ حقیقت یہی ہے کہ دونوں کا تعلق عوام سے ہے۔ ارباب تحقیق و تنقید نے جن بنیادوں پر ان میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ان میں سے چند یوں درج کیے جا سکتے ہیں:

☆ مقبول عام ادب مصنف کی کاوش کا نتیجہ ہوتا ہے جب کہ سنجیدہ ادب کا تعلق سماجی و ثقافتی روایت سے ہوتا ہے، اس میں اجتماعی شعور کا عمل دخل ہوتا ہے۔

☆ مقبول عام ادب تخلیق کرنے کا مقصد یا تخلیق کار کے پیش نظر عام قاری ہوتا ہے۔

☆ مقبول عام ادب کا مقصد تفریح طبع ہے، اس میں پیچیدگی بالکل بھی نہیں ہوتی اور نہ قاری کو بہت زیادہ الجھن میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

☆ مقبول عام ادب کی زبان بھی آسان، صاف، ستھری اور عام فہم ہوتی ہے۔ مشکل اور مغلق الفاظ اور تراکیب سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

☆ مقبول عام ادب کا اثر دیرپا نہیں ہوتا اور نہ قاری عملی طور پر اس سے منسلک ہو پاتا ہے۔

☆ مقبول عام ادب کا اسلوب ادب عالیہ کے اسلوب سے مختلف ہوتا ہے، اس کے پیش نظر ادبی سے زیادہ عوام کی دلچسپی اور اسی کے مطابق جملے کی ساخت ہوتی ہے۔

فکشن کے ہی نہیں بلکہ اردو کے عام قاری کے نکتہ نظر سے ادبی تاریخ میں مقبول عام ادب اور خالص ادب دونوں کی اہمیت ہے۔ حالاں کہ مقبول عام ادب کو ادب میں وہ مقام نہیں مل سکا جس کا وہ مستحق ہے لیکن زبان کی آب یاری اور فروغ میں اس کا بہت اہم کردار رہا ہے۔ اپنے موضوع اور پیش کش کی خوبی کی وجہ سے عام قارئین ادب سے بڑی تعداد میں منسلک بھی ہوئے ہیں۔ مقبول عام ادب نے زبان کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ادب کے ذخیرے میں قابل قدر اضافہ کیا ہے جس کا اب اعتراف بھی کیے جانے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔

مقبول عام ادب کی ابتدائی شکل تاریخی قصے، حکایات سے لبریز کہانیاں اور غیر یقینی فسانے ہوا کرتے تھی لیکن رفتہ رفتہ سائنسی ترقی کی وجہ سے حقیقت نگاری نے فرضی اور داستانوی واقعات کی جگہ لے لی۔ انگریزی ادب کے ساتھ اردو میں بھی یہی طریقہ رائج ہونا شروع ہوا لیکن انیسویں صدی کے آغاز ہی میں اس صنف نے نئی کروٹ لی۔ زندگی کے تجربات اور حقیقی واقعات کی عکاسی طرب والم کی شکل میں ہو رہی تھی، کچھ حد تک فن مجروح ہو رہا تھا، ضرورت اس بات کی تھی کہ واقعات کو ناول کے قالب میں ڈھالا جائے۔ سر والٹر اسکاٹ (Sir Walter Scott) نے ''ویورلے (Waverley)'' ناول لکھا جس میں اسکاٹ لینڈ کی ساٹھ سالہ تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔ ہنری فیلڈنگ (Henry Fielding) کے ناول ''جوزف اینڈریوز (Joseph Andrews)'' میں حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کے واقعات کی عکاسی ملتی ہے۔ ڈاکٹر مبارک علی اس جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''تاریخ، ماضی اور حال کے درمیان ایک مکالمہ ہے،اس مکالمے میں حال عملی طور پر زیادہ حصہ لیتا ہے کیوں کہ زمانہ ٔ حال میں مورخ ماضی کے واقعات بیان کرکے ان کے رازوں سے پردہ اُٹھاتا ہے جواب تک محققین کو معلوم نہ تھے اور ماضی میں خود اس معاشرے کو بھی معلوم نہ تھے اور اس لیے مورخ سب سے اہم کام یہ کرتا ہے کہ وہ تاریخ کی تشکیل کرکے ماضی اور حال کو آپس میں ملا دیتا ہے۔''

(ڈاکٹر مبارک علی،تاریخ کے بدلتے نظریات، ص:30)

اسکاٹ لینڈ کی تاریخی ناول نگاری کو انگریزی ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے اور ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے مختلف ناقدین نے مختلف انداز میں یاد کیا ہے،حالانکہ ان ناولوں میں کردار اور قصے میں توازن کا کافی حد تک فقدان ہے اس کے باوجود ان کے ناول مقبول عام ناول کے نقش اول ثابت ہوتے ہیں۔

اردو ادب ہیں مقبول عام ادب کی جھلک یا اس کی جڑیں عہد قدیم کے مشرقی داستانوں خصوصاً الف لیلہ (بغداد و مصر سے متعلق قصے) طلسم ہو شربا اور بوستاں خیال' تک جاملتی ہیں۔ مغرب ہو یا مشرق ہر دو جگہ داستانوی واقعات، حیرت واستعجاب سے پر کہانیاں اور اساطیری قصوں کا سلسلہ عرصہ دراز سے چلا آرہا تھا۔اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی تحریری قصوں کا رواج قدیم ہے۔ ہورس وال پول (Horace Walpole) نے جب جاسوسی ناول لکھنا شروع کیا تو اسے مغرب میں '' GOTHIC'' ناول لکھنے والا کہا گیا۔وال پول سے مغرب میں کافی لوگ متاثر ہوئے۔ علی عباس حسینی کے مطابق وال پول کے تتبع میں بیک نے خلیفہ واتھک کی کہانی، مسٹر ویڈ فورڈ نے جنگل کا 'رومان'، لیوس نے 'راہب'، میری روچ نے 'کلیسا' جیسے اہم ناول لکھے ۔امریکی ناول نگاروں میں براونٔن نے وی لینڈ(VIE LAND)،شیلے نے 'زاسترو(ZASTROZZI)'، مسز شیلے نے فرینک اسٹین(FRANKESTEIN) جیسے اہم اور مشہور ناول لکھے۔ جرمنی میں بھی اس طرح کے ناول کا تجربہ کیا گیا جو بے حد کامیاب رہا تھا

اردو میں جاسوسی ناول کو متعارف کرنے کا سہرا ظفر عمر کے سر ہے جنھوں نے مارس لیبلانگ کے مشہور جاسوسی ناول 'نیلی چھتری' کا ترجمہ کیا،اس کے بعد مرزاہادی رسوا، تیرتھ رام فیروز پوری،ندیم صہبائی اور پنڈت ملک راج آنند نے اس روش کو آگے بڑھایا۔ عبدالحلیم شرر کے تاریخی ناول بھی اس سلسلے میں اہم تسلیم کیے جاتے ہیں۔ محمد علی طیب، ڈپٹی نذیر احمد، دل گداز کے پرنٹر اور پبلیشر حکیم محمد سراج الحق نے بھی تاریخی ناول لکھے۔ان کے دو ناول 'فیروز شاہ' اور 'ماہ طلعت' کا تذکرہ ملتا ہے، موخرالذکر ناول میں حضرت عمر کے عہد کی فتوحات اور کارناموں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ موہن لال فہم نے بھی تاریخی ناول نگار کی حیثیت سے خاصی شہرت حاصل کی لیکن مسلمانوں کی تہذیب وثقافت سے ان کی عدم واقفیت ان کے ناول کے معیار کو کم کرتی ہے۔ مولانا صادق حسین سردھنونی اردو کی تاریخی ناول نگاری میں ایک اہم اضافہ ہے۔انھوں نے عرب کے دور جاہلیت اور دور نبوی کے حالات اور واقعات کو اپنے ناول کا موضوع بنایا ہے۔ان کے ناول میں تسلسل ہے، نثر شگفتہ اور پُر اثر ہے۔اس طرح کے ناول کے اثرات کو نسیم حجازی نے قبول کیا۔اس وقت تاریخی ناول نگاری کے سرمایے خاصے تھے۔ یہ دور تحریک آزادی کا دور تھا،اس لیے انھوں نے اس موقع کا فائدہ اُٹھا کر ملت کے نوجوانوں میں حوصلہ، ہمت، شجاعت، جذبہ جہاد جیسے جذبات پیدا کرنے کے لیے ناول نگاری کا سہارا لیا۔ان کے سامنے انگریزی ادب کے بے

شمار ناول، شبلی کے تاریخی کارنامے ،نذیر احمد کی زبان کی چاشنی ،مرزا ہادی رسوا کی تہذیب و معاشرت سے لیس تحریریں موجود تھیں۔ان تمام ادب پاروں سے انھوں نے خوب استفادہ کیا اور ان غلطیوں اور خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جوان سے پہلے کے ناول نگاروں کے یہاں پائی جاتی تھیں،انھوں نے خاص طور پر شبلی،اقبال اور مودودی سے بہت کچھ سیکھا اور ان کی تحریروں سے خوب فائدہ اٹھایا۔اس حوالے سے ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں:

''نسیم حجازی کا طرز تحریر اردو کی بہترین نثر کی ان روایات کا امین ہے جو علامہ شبلی،علامہ ابوالکلام آزاد اور علامہ ابوالاعلی مودودی کے عالمانہ مضامین میں ترقی پاکر اظہار و بیان کا مثالی معیار مقرر کرتی ہیں ،اس طرز تحریر میں نفاست و شوکت اور متانت و دبازت ہے جہاں تک اس میں پائے جانے والے خطابت کے عنصر کا تعلق ہے ،وہ کرداروں کے مکالموں پر مشتمل ہے اور یہ مکالمے متعلقہ ہیروئن کی عظیم شخصیت،ان کے شاندار مقاصد اور سیاق وسباق کے مطابق ہیں۔''

(نسیم حجازی کا فن مشمولہ سیارہ،ڈاکٹر عبدالغنی،ص،352)

نسیم حجازی کی ان خوبیوں اور کمالات کی بدولت ان کا ناول دن بدن بہتری کی راہ پر گامزن ہوتا گیا۔اسلاف کے نقوش سے کسب فیض کیا،عصری تقاضے ،سیاسی حالات اور تہذیبی اقدار کو بھی اپنی تحریروں میں جگہ دی،جس کی وجہ سے کثرت سے ان کے ناول پڑھے بھی گئے اور ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔اس ضمن میں جن ناول نگاروں کو مقبولیت ملی ان میں مقبول عام ادب کا سب سے بڑا نام ابن صفی کا ہے۔

ابن صفی 26جولائی 1928 کو الہ آباد کے ایک گاؤں 'نارا' میں پیدا ہوئے۔ابن صفی کا اصل نام اسرار احمد تھا۔والد صفی اللہ اور امی نذیرہ نے ان کی تربیت پر خاص توجہ دی۔ابتدائی تعلیم نارا کے ایک اسکول میں ہوئی۔DAV اسکول الہ آباد سے میٹرک اور ایونگ کرسچن کالج سے انٹر میڈیٹ کی تعلیم مکمل کی۔1947 میں الہ آباد میں بی اے میں داخل ہوئے لیکن جنگ آزادی کے ہنگامے کی وجہ سے اسے مکمل نہ کر سکے۔بعد میں انھوں نے اسی کورس کو آگرہ یونیورسیٹی سے مکمل کیا۔

ابن صفی کی تخلیقات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف قلم کے دھنی تھے بلکہ ان کے اندر تحریری و تخلیقی صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں ۔بچپن سے ہی تحریری کاموں میں پیش پیش رہے۔1948 میں جب علی عباس حسینی نے ماہنامہ ''نکہت'' جاری کیا تو شعری گوشہ کا نگراں ابن صفی کو مقرر کیا۔اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ابن صفی نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شاعری ہی سے کیا تھا۔اسرار نارو ی کے نام سے شعر کہتے تھے۔شاعری کے بعد ان کو طنز و مزاح سے دلچسپی پیدا ہوئی۔اپنے اس شوق کی بھرپائی کے لیے انھوں نے 'نکہت' ہی میں طنز و مزاح سے لیس مختصر کہانیاں مختلف قلمی ناموں سے لکھیں۔انھوں نے جن ناموں سے یہ کہانیاں لکھیں ان میں سے طغرل،فرغان اور سنکی سولچر جیسے انوکھے قلمی نام شامل ہیں۔

1951 کے اواخر کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ چند قریبی دوستوں کی محفل سجی تھی،ان میں ابن صفی بھی موجود تھے۔کسی نے کہا کہ اردو میں صرف فحش نگاری ہی مقبولیت حاصل کر سکتی ہے۔ابن صفی نے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ کسی بھی لکھنے والے نے فحش نگاری کے اس سیلاب کو روکنے کی کوشش ہی نہیں کی۔دوستوں نے کہا کہ جب تک بازار میں اس کا متبادل دستیاب نہیں ہوگا،لوگ یہی پڑھتے رہیں گے۔یہی وہ تاریخی محفل تھی جب ابن

صفی نے ٹھان لیا کہ اب ایسا ادب ضرور تخلیق کیا جائے گا جو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے گا۔ اس ارادے کے ساتھ اسرار حسین نے ' ابن صفی' کے نام سے قلم سنبھالا اور اسی قلمی نام سے 'انسپکٹر فریدی' اور 'سرجنٹ حمید' کے کردار کے نام سے تواتر سے ایسے ناول لکھے جنھیں عوام وخواص نے نہ صرف پسند کیا بلکہ یہ مقبول عام بھی ہونے لگے۔ بعد میں علی عباس حسینی کے مشورے سے اس طرح کے ادب کا نام 'جاسوسی ادب' قرار پایا۔

ان کا پہلا جاسوسی ناول 'دلیر مجرم' کے نام سے مارچ 1952 میں شائع ہوا۔ اس کے بعد جاسوسی ناول کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بعد ازاں انھوں نے عمران سیریز کا پہلا ناول ' خوفناک عمارت' کے عنوان سے لکھا۔ اس ناول کو راتوں رات وہ مقبولیت حاصل ہوئی جو اس سے پہلے کسی اور ناول کے حصے میں نہیں آئی تھی۔ اس کی ہر سیریز کا لوگوں کو شدت سے انتظار رہنے لگا۔ اس سیریز کے ساتھ ایک دلچسپ واقعہ یہ بھی ہے کہ جب اس سیریز کا ناول 'بھیانک آدمی' 1956 میں شائع ہوا تو ان کے والد صاحب جو برسوں سے ملاقات نہیں کر پائے تھے، اس پر لکھے ہوئے پتے سے اپنے بیٹے سے ملنے میں کامیاب ہو گئے۔ دراصل ابن صفی، اپنی ماں اور بہن کے ساتھ 1952 میں کراچی ہجرت ہجرت کر گئے تھے۔ حالانکہ ان کے والد صاحب پہلے یہاں آ چکے تھے لیکن ان کا قیام کسی دوسری جگہ تھا۔ بہر صورت اس جاسوسی ناول کی اشاعت نے فیملی کو آپس میں ملا دیا۔

عمران سیریز کا جب اکتالیسواں ناول 'بے آواز سیارہ' کے نام سے منظر عام پر آیا، اسی وقت ابن صفی نے جاسوسی دنیا کا اٹھاسیواں (88) ناول ''پرنس وحشی'' بھی مکمل کیا۔ اس سیریز کے بعد ہی ابن صفی کو ایک ایسی بیماری نے اپنی گرفت میں لے لیا کہ وہ مسلسل تین سال تک بستر استراحت پر پڑے رہے۔ لیکن جیسے ہی وہ صحت یاب ہوئے ایک بار پھر اسی توانائی کے ساتھ اسی رنگ میں آ گئے۔ ایک بار پھر ان کے جاسوسی ناولوں نے پوری دنیا کے ادیبوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ان کی کردار نگاری، جزئیات نگاری، تحریر میں چاشنی، لذت، ظرافت، دل بستگی، طنز و مزاح کی بیش بہا آمیزش سے قاری محظوظ ہونے کے بعد دوسری سیریز یا ان کے دوسرے ناول کے منتظر رہنے لگے۔ ان کے ناولوں میں تذبذب اور کشمکش کے ساتھ مزاحیہ پہلو بھی خاص رنگ پیدا کرتا تھا۔ عمران سیریز کا ناول 'چار لکیریں' کا ابتدائی جملہ پڑھ کر ہی قاری محظوظ ہوتا ہے:

''اس وقت کیپٹن فیاض کی کھوپڑی ہوا میں اُڑ گئی جب اس نے عمران کے ساتھ شہر کی ایک طوائف دیکھی۔''

(چار لکیریں)

'بحری یتیم خانہ' میں ظرافت کی چاشنی اعلی درجے کی ہے۔ اس ناول کی ابتدا ایک نائٹ کلب کے پروگرام سے ہوتی ہے۔ استاد دلفگار ٹھمری کا آغاز کرتے ہوئے ' نندیا کاہے مارے بول' کی تکرار کرتے رہتے ہیں۔ سات منٹ گزر جانے کے بعد عمران استاد کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: ''حضور! اب آپ کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی، آپ مجھے اپنی نندیا کا پتہ بتائیں، ابھی دوڑ کر پوچھ آتا ہوں کہ 'نندیا کاہے مارے بول'۔۔۔ استاد خفا ہو گئے، عمران کا گریبان پکڑنے کی کوشش کی۔ ہنگامہ برپا ہو گیا، عمران نے چلا کر کہا: '' ان کی نندیا میری بھی رشتے دار رہی ہیں'' ۔۔۔ استاد دھاڑے مار کر: ''ارے یہ بہرام خاں حرام خان کا کوئی گرگا ہے، ہے حرامی''۔۔ اس پر عمران بڑے ادب سے: ''میں آپ کی نندیا کا سالا ہوں۔''

حاصل یہ کہ ان کی مزاحیہ نگاری اور ظریفانہ پہلو نے ان کو دوامی شہرت بخشی اور ان کے کردار لازوال ثابت ہوئے۔ اس طرح کے صدہا جملے ان کے ناول میں بکھرے پڑے ہیں۔ ان کے جاسوسی ناول کی کامیابی کا اہم راز کردار نگاری اور ان کرداروں کے متاثر کن مکالمے ہیں۔ عمران سیریز میں سات مشہور کردار نظر آتے ہیں لیکن ان تمام ہیں علی عمران کا کردار سب پر فائق اور سب سے متحرک ہے۔ عمران کی شخصیت بہت ہی گنجلک اور ٹیڑھی ہے۔ ابن صفی اسی کردار پر ناول 'گھر کا قیدی' میں روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لوگ اکثر سوچتے ہیں کہ عمران کی شخصیت اتنی غیر متوازن کیوں ہے، وہ ہر معاملے کو ہنسی میں کیوں اُڑا دیتا ہے؟ والدین کا احترام اس طرح کیوں نہیں کرتا جیسے کرنا چاہیے۔''

(گھر کا قیدی)

اس طرح کے پہلو اُجاگر کرنے کے لیے ابن صفی نے عمران کی زندگی کے ابتدائی تعلیمی حالات کا نقشہ کھینچا ہے۔ ماں مذہبی بنانا چاہتی تھیں، والد نے مشن اسکول میں داخلہ کرا دیا۔ باہر کا ماحول گھر کے ماحول سے بالکل مختلف۔ اس تضادانہ ماحول نے عمران کو بچپن ہی سے کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ اسی وجہ سے ان کی شخصیت معجون مرکب بن کر رہ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ناول میں یہ کردار نئے آب وتاب، نت نئے رنگ اور نئی اُمنگ کے ساتھ نظر آتا ہے۔

''کبھی وہ پرانی کار میں بیٹھ کر بھیک مانگ رہا ہے۔'' (دوسری آنکھ)

''کبھی پیکسی کے ساتھ سرکس میں مسخرا بن جاتا ہے۔'' (کالی تصویر)

''کبھی وہ اپاہج اور بیوی سے خوف زدہ شوہر بن کر رینا ڈکسن کے گھر پناہ لیتا ہے۔'' (سبز لہو)

اس طرح ان کی کردار نگاری اور منظر نگاری نے ان کے جاسوسی ناول میں ابدی شہرت کی جان پھونک دی ہے۔ ان کے کرداروں میں حمید، فریدی اور قاسم کافی مشہور اور جان دار کردار ہیں۔ ابن صفی کے جاسوسی ناول کی تعداد کثیر ہے جن میں چند بے پناہ شہرت کے حامل ہیں مثلاً خوفناک ہنگامہ، شعلوں کا تاج، دشمنوں کا شہر، لاشوں کا آبشار، پتھر کی چیخ، سائے کی لاش، موت کی آندھی، خطرناک لاشیں، گھر کا بھیدی، ہیروں کا فریب، جہنم کی رقاصہ، صحرائی دیوانہ، سہ رنگا شعلہ۔ وغیرہ

ابن صفی کے ناول صرف مزاحیہ، جاسوسی، جذباتی پہلو سے لیس نہیں ہیں بلکہ جگہ بہ جگہ عصری حسیت کی خوب صورت آمیزش سے بھی پر ہے۔ ان کے مختلف ناول سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''ہیں جانتا ہوں کہ حکومتوں سے سرزد ہونے والے جرائم، جرائم نہیں ہیں حکمت عملی کہلاتے ہیں۔ جرم تو صرف وہ ہے جو انفرادی حیثیت سے کیا جائے۔''

]جونک کی واپسی[

''اگر میں اس سڑک پر ناچنا شروع کر دوں تو مجھے دیوانہ کہو گے لیکن لاشوں پر ناچنے والے سورما کہلاتے ہیں۔انہیں اعزاز ملتے ہیں،ان کی چھاتیاں تمغوں سے سجائی جاتی ہیں۔''

[خطرناک لاشیں]

''جب کوئی ذہین اور تعلیم یافتہ آدمی مسلسل ناکامیوں سے تنگ آجاتا ہے تو اس کی ساری شخصیت صبر کی تلخیوں میں ڈوب جاتی ہے''

(موت کی آندھی)

اہل ادب اور صاحب تنقید نے ابن صفی کے ناولوں کو ادب عالیہ یا سنجیدہ ادب میں شامل تو نہیں کیا لیکن دبے لفظوں میں ان کے فن کی تعریف ضرور کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بعض اوقات ان کی خدمات کو سراہتے بھی ہیں۔اس کے برخلاف عام قارئین ان کے کردار کے دیوانے نظر آتے ہیں،یعنی کوئی عمران کا دیوانہ ہے تو کوئی فریدی کا دلدادہ، کوئی حمید کو پسند کرنے والا تو کسی کو کوئی اور کردار لبھاتا ہے۔

ابن صفی کے ناولوں کی مختلف سیریز کا جنون لوگوں پر اس قدر تھا کہ لوگ لمبی قطار میں کھڑے ہو کر ناول کے منظر عام پر آنے کے پہلے دن ہی اسے حاصل کرنا چاہتے تھے اور لاتعداد لوگ نہ صرف ناول حاصل کرتے بلکہ اس کے مطالعے کے بعد بے تکلف دوستوں کی محفل میں ان کے موضوع، پیش کش اور کرداروں پر بحثیں کرتے نظر آتے۔ان کی کردار نگاری اور فنکاری کی داد دی جاتی۔اردو جاننے والا شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے ابن صفی کے ناول کا مطالعہ نہ کیا ہو اور زیادہ تر لوگ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ انھوں نے زبان کا اصل لطف ابن صفی کے ناول پڑھنے کے بعد ہی لیا ہے اور انھیں اپنی زبان درست کرنے میں بھی اس سے مدد ملی ہے۔ اس کے باوجود ناقدین و دانشوران ادب نے ان کے جاسوسی ناول کو ادب کے زمرے سے الگ رکھا ہے۔یہ آج کی بات نہیں ہے بلکہ ابن صفی کے زمانے میں بھی ان کے ناولوں کا مطالعہ تو شوق سے کرتے تھے لیکن اس کی ادبی اہمیت کا اعتراف کرنے میں عار محسوس کرتے تھے۔اس کا شدید احساس خود ابن صفی کو بھی شدت کے ساتھ تھا لیکن کسی صلہ کی پروا کیے بغیر اپنی تخلیقی ڈگر پر مسلسل گامزن رہے،اردو اور ان کے ناولوں کے چاہنے والوں کو اپنی انوکھی تخلیق سے محظوظ اور مسرور کرتے رہے۔ایک انٹرویو میں انھوں نے اس تعلق سے کھل کر بات کی تھی۔اور تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جب آرٹ اور ادب کے علم بردار مجھ سے کہتے ہیں کہ میں ادب کی خدمت کروں تو مجھے بڑی ہنسی آتی ہے۔ تم ہی بتا ¶مشتاق میاں کہ کیا میں جھک مار رہا ہوں، حیات و کائنات کا کون سا ایسا مسئلہ ہے جسے میں نے اپنی کسی نہ کسی کتاب میں نہ چھیڑا ہو، بس میرا طریقہ کار ہمیشہ عام روش سے الگ تھلگ رہا ہے ، میں بہت اونچی بات کہہ کر محض چند لوگوں تک محدود ہونے کا قائل نہیں ہوں، دوسرے لوگ جو اعلیٰ اور ارفع ادب تخلیق کر رہے ہیں وہ ادب کتنے ہاتھوں تک پہنچتا ہے اور انفرادی یا اجتماعی زندگی میں کیا انقلاب لاتا ہے۔افسانوی ادب خواہ وہ کسی بھی پائے کا ہو،اس کا مقصد محض ذہنی فرار اور کسی نہ کسی طرح تفریح ہی فراہم کرنا ہوتا ہے لیکن اس سے گنے چنے لوگ ہی محظوظ ہوتے ہیں، میں ان گنے چنے لوگوں کے لیے ہی کیوں لکھوں، میں وہ انداز کیوں نہ اپناؤں جسے لوگ زیادہ پسند کرتے ہیں۔''

اس اقتباس سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ ابن صفی کا مقصد کیا تھا اور انھوں نے سماجی مسائل کو کس انداز سے اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے اور اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہے ہیں۔ابن صفی اردو زبان کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے ایک بڑے حامی تھے۔وہ ادب کے مستقبل کے بارے میں سنجیدگی سے غور و خوض کرتے تھے۔انھیں ادب کے معیار کا بھی خیال رہتا تھا اور ادب کے گرتے معیار پر فکر مند ہونے کے ساتھ نالاں بھی رہتے تھے۔ان کے خیال میں ادب محض تفریح کا سامان نہیں بلکہ معاشرتی تبدیلی کا ایک اہم ذریعہ تھا۔یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرتی برائیوں اور انسانی کمزوریوں کو طنزیہ انداز میں بیان کرتے تھے جو قاری کے ذہن و دل پر براہ راست اثر انداز ہوتے تھے۔ان کی طنزیہ تحریریں معاشرتی مسائل کو اجاگر کرنے کا ایک پر اثر ذریعہ تھیں۔یہی وجہ ہے کہ ابن صفی سے اس طرح کا سوال کئی دفعہ کیا گیا۔ایک انٹرویو میں ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ ادب کی خدمت کیوں نہیں کرتے ؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ تو مجھے صرف اردو کی خدمت کرنے دیجیے۔اس کے باوجود کہ صرف و نحو کی غلطیاں مجھ سے بھی سرزد ہوتی رہتی ہیں۔آپ اس وقت کی میری خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب مجھے کسی سندھی یا بنگالی کا خط اس مضمون کے ساتھ ملتا ہے کہ محض آپ کی کتابیں پڑھنے کے شوق میں اُردو پڑھ رہا ہوں اور پھر پڑھ کر سنانے والوں کا احسان کہاں تک لیا جائے ؟اب بتایئے ادب کی خدمت کروں یا اردو زبان کی خدمت مناسب ہو گی۔ویسے اپنے نظریات کے مطابق میں ادب کی بھی خدمت کر رہا ہوں اور سماج کی بھی۔۔۔میری اس خدمت کا انداز نہ تو بدلتے ہوئے حالات سے متاثر ہوتا ہے اور نہ وقتی مصلحتوں کے تحت کوئی دوسری شکل اختیار کر سکتا ہے۔

ان کلمات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ابن صفی مثبت فکر اور مضبوط ارادے کے مالک تھے۔وہ اپنی فکر اور ارادے پر مضبوطی سے کاربند رہے اور اپنے طور پر اردو کی بیش بہا خدمت کرتے رہے۔ابن صفی کو قارئین کی دلچسپی، ذہنی فرحت و انبساط کے سامان پہنچانے کی فکر زیادہ ہوتی تھی بجائے اس کے کہ کون کیا کہہ رہا ہے، ان کی تحریر کے بارے میں کس کی کیا رائے ہے۔ان کی ترجیحات میں صرف یہ شامل تھا کہ ان کی تحریر ہر قاری کی سمجھ میں آئے اور ادبی چاشنی کے ساتھ قارئین کی فکری بالیدگی کو وا کرے۔اس کا اعتراف اردو کے نام نہاد ناقدین و دانشوران نے تو نہیں کیا لیکن بہت سے قلم کاروں نے ان کی خدمات کو سراہا ہے اور ان کی تحریروں کو ادب میں اضافہ قرار دیا ہے۔یہاں تک کہ مولوی عبدالحق نے کہا کہ اس شخص کا اردو پر بہت بڑا احسان ہے۔تو سید محمد اشرف نے 'ذہن جدید کے ادب پیما' کے عنوان سے پیش کی گئی فہرست میں اردو کے دس بڑے لکھنے والوں میں ابن صفی کا شمار کیا ہے۔

مغرب کی معروف جاسوسی مصنفہ 'اگاتھا کرسٹا(AGATHA CHRISTA)سے(کراچی ایرپورٹ پر ان کے مختصر قیام کے دوران) پاکستانی جاسوسی لٹریچر کا ذکر کیا گیا تو مسکراتے ہوئے کہا:

''مجھے اُردو نہیں آتی لیکن برصغیر کے جاسوسی لٹریچر سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتی ہوں۔صرف ایک اوریجنل رائٹر 'ابن صفی' ہے اور سب اس کے نقّال ہیں۔کسی نے بھی اس سے ہٹ کر کوئی نئی راہ نہیں نکالی۔''

ابن صفی نے اپنے منفرد انداز اور غیر معمولی کردار نگاری اور ان کرداروں کے مکالمے کی بدولت ملک و بیرون میں کافی شہرت حاصل کی۔ان کے ناولوں کے مکالمے کرداروں کو زندہ اور حقیقت سے قریب تر بناتے ہیں۔ان میں برجستگی، طنز و مزاح، اور نفسیاتی گہرائی کا امتزاج پایا جاتا ہے، جو نہ صرف کہانی کو دلچسپ بناتا ہے بلکہ قاری کو کرداروں کے ساتھ منسلک بھی کرتا ہے۔ان کے مکالمے کہانی کی رفتار اور اس کے موڑ کو مؤثر طریقے سے سنبھالتے ہیں،

اور مختصر لیکن معنی خیز جملوں کے ذریعے بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔ یہ تمام خصوصیات ابن صفی کی مکالمہ نگاری کو اردو ادب میں منفرد اور یادگار بناتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ابن صفی کی مکالمہ نگاری اردو ادب میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ان کے لکھے گئے مکالمے نہ صرف ان کے کرداروں کی شخصیت کو ابھارتے ہیں بلکہ کہانی کو دلچسپ اور حقیقت پسندانہ بنانے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مکالموں میں ابن صفی کی زبان کا استعمال،ان کی برجستگی،اور طنز ومزاح کا عنصر ان کی تحریروں کو خاص بناتا ہے۔

ابن صفی کے مکالمے بہت برجستہ اور فطری ہوتے ہیں۔ وہ اپنے کرداروں کی زبان کو ان کی حیثیت، تعلیم،اور ماحول کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ان کے مکالمے اتنے فطری ہوتے ہیں کہ قاری کو محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود اس گفتگو کا حصہ ہو۔ مثلاً عمران سیریز کے مکالمے عموماً ہلکے پھلکے اور مزاح سے بھرپور ہوتے ہیں، جو عمران کے کردار کی مخصوص چالاکی اور ذہانت کو ظاہر کرتے ہیں۔ان کے مکالموں کی برجستگی اور فطری انداز کی ایک مختصر ترین مثال ملاحظہ فرمائیں:

عمران: "تمھیں پتا ہے کہ میں تمھارے لیے کتنا خطرناک ہوں؟ "

رفیق: "جی ہاں،اسی لیے تو آپ سے ڈرتا ہوں۔ "

عمران: "ارے، میں تو اپنے آپ سے بھی ڈرتا ہوں۔"

ابن صفی کے مکالمے طنز ومزاح سے بھرپور ہوتے ہیں، جو ابن صفی کے ساتھ ساتھ ان کے کرداروں کی ذہانت اور حاضر دماغی کو ظاہر کرتے ہیں۔ان کے طنزیہ مکالمے اکثر معاشرتی برائیوں یا انسانی کمزوریوں پر لطیف تنقید کرتے ہیں:

فریدی: "تمھیں اپنے کام پر شرمندگی نہیں ہوتی؟ "

حمید: "بالکل نہیں! شرمندہ وہ ہوتے ہیں جنہیں اپنے کام کا یقین نہ ہو۔"

ابن صفی کے مکالمے کرداروں کی نفسیات اور ان کی ذہنی کیفیت کو واضح کرتے ہیں اور وہ اپنے کرداروں کے جذبات اور خیالات کو مکالموں کے ذریعے بہت موثر انداز میں پیش کرتے ہیں:

فریدی: "یہ تم نے کیا کیا،حمید؟ "

حمید: "سر، کبھی کبھار کچھ کرنے کے لیے کچھ نہ کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔"

جب کوئی فنکار کردار کی نفسیات،اس کی معاشی حالت اور اس کے ذہن ودل کو اچھی طرح سمجھ کر مکالمے تخلیق کرکے اسے کامیابی سے پیش بھی کرتا ہے تو ان کرداروں کے مکالمے فطری ہوتے ہیں، مکالمے کہانی کی روانی کو برقرار رکھتے ہوئے اسے نہایت خوش اسلوبی سے آگے بڑھاتے ہیں اور قاری کی

دلچسپی کو برقرار رکھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ایسے مکالمے کہانی کے مختلف منازل اور کلائمکس کو اور زیادہ پر اثر بناتے ہیں۔ابن صفی کے مکالمے اسی زمرے میں شامل ہیں:

عمران: "اب تو بس دو ہی راستے ہیں، یا تو تم ہار جاؤ گے یا میں جیت جاؤں گا۔ "

دشمن: "لیکن دونوں میں فرق کیا ہے؟ "

عمران: "فرق یہی ہے کہ میں ہارنا نہیں جانتا۔"

اب تک جو مکالمے مثال کے طور پر پیش کیے گئے ہیں اس سے بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ابن صفی کو مختصر مکالموں کے ذریعے گہری بات پیش کرنے میں مہارت حاصل ہے۔ایسا نہیں ہے کہ انھوں نے صرف مختصر مکالمے ہی تحریر کیے ہیں بلکہ طویل مکالمے بھی خوب ملتے ہیں۔لیکن ان مکالموں میں بھی وہی خوبی موجود رہتی ہے کہ یا تو وہ کردار کی فکر اور حالات کی عکاسی کرے یا کہانی کے ارتقائی مراحل طے کرنے میں معاون ثابت ہو۔ہم جانتے ہیں کہ مختصر اور مونی ثر مکالمے کی مدد سے وہ زیادہ بات کیے بغیر اپنے کرداروں کے ذریعے بہت کچھ کہہ دیتے ہیں۔یہ مختصر مکالمے کہانی کی شدت کو بڑھاتے ہیں۔ایک مختصر اور فلسفیانہ مکالمہ دیکھیں:

عمران: "یہ تم کیا کر رہے ہو؟ "

خالد: "وہی جو ہمیشہ کرتا ہوں، یعنی کچھ نہیں۔"

ابن صفی کے کرداروں اور ان کے مکالموں پر طویل گفتگو کی جاسکتی ہے کیوں کہ ابن صفی کی مکالمہ نگاری ان کے افسانوں اور ناولوں کی جان ہے۔ان کے مکالمے کرداروں کو زندہ اور حقیقت کے قریب تر بناتے ہیں۔ان میں برجستگی، طنز و مزاح، اور نفسیاتی گہرائی کا امتزاج پایا جاتا ہے، جو نہ صرف کہانی کو دلچسپ بناتا ہے بلکہ قاری کو کرداروں کے ساتھ جوڑتا بھی ہے۔ان کے مکالمے کہانی کی رفتار اور اس کے موڑ کو مونی ثر طریقے سے سنبھالتے ہیں، اور مختصر لیکن معنی خیز جملوں کے ذریعے بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔یہ تمام خصوصیات ابن صفی کی مکالمہ نگاری کو اردو ادب میں منفرد اور یادگار بناتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ابن صفی کے ناول نہ صرف اردو قارئین کے لیے تفریح و تدریس کا ذریعہ رہا بلکہ دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ کی مدد سے مقبول عام رہا۔ حالانکہ ہندی میں منتقل کرتے ہوئے ان کے ناولوں کے کرداروں میں سے دو کرداروں کے نام بدل دیے گئے یعنی فریدی کی جگہ 'ونود' اور عمران کی جگہ 'راجیش' کر دیا گیا۔باقی کردار اپنے اصلی نام کے ساتھ آج بھی موجود ہیں۔

مختصراً یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہو گا کہ ابن صفی کے ناولوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ قاری کو تفریح مہیا کرتے ہیں۔ان کے کردار دلچسپ، منفرد اور یادگار ہیں۔چاہے وہ "علی احمد" ہو یا "شہزاد" یا "شہزادہ زار"۔ہر کردار کی اپنی ایک کہانی، اپنی ایک دنیا ہوتی ہے۔یہ تفریحی عنصر قاری کو نہ صرف کہانی میں مشغول رکھتا ہے بلکہ ان کی تخلیقی فکر کو بھی پروان چڑھاتا ہے۔اس کے باوجود ان کی تحریریں صرف تفریحی کہانیوں تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان

میں انسانی نفسیات، معاشرتی مسائل، اور اخلاقی اقدار کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان کی تخلیقات میں کہانی کی پیچیدگی، کرداروں کی گہرائی اور سسپنس کا عنصر ملتا ہے، جو قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ان کے ناولوں میں ثقافتی اور سماجی موضوعات کا عمیق تجزیہ ملتا ہے۔ انہوں نے مشرقی ثقافت اور روایات کو اپنے ناولوں میں خوبصورتی سے سمویا ہے۔ ان کی کہانیوں میں ہم عصر مسائل، جیسے سماجی مسائل، طبقاتی تفریق، اور انسانی رشتوں کی پیچیدگیوں کی عکاسی کی گئی ہے، جو آج کے دور میں بھی قابل غور اور قابل قدر ہیں۔ ابن صفی کے ناولوں کی ایک اور اہمیت یہ ہے کہ وہ نوجوان نسل کے لیے ایک تعلیمی ماخذ بھی ہیں۔ ان کی تحریروں سے زبان، ادب اور بیان کی مہارت کو سیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے ناولوں کا مطالعہ نوجوانوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارتا ہے اور انہیں بہترین ادب کی قرات اور تخلیق کی طرف راغب کرتا ہے۔

اس کے باوجود ہمارے ناقدین نے ان ناولوں پر غیر جانبدارانہ نظر ڈالنے کی زحمت نہیں کی۔ بلکہ اگر کبھی اس کا ذکر کیا بھی تو مقبول عام ادب کے زمرے میں ڈال کر کہیں دور کسی کونے میں رکھ کر بھول گئے۔ ادب کی درجہ بندی اس کے معیار کی بنیاد پر ہونی چاہیے نہ کہ مقام اور علاقے یا موضوعات کی بنیاد پر۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب کسی ادبی فن پارے کی اہمیت سے انکار کرنا ہوتا ہے تو اسے کسی نئے خانے میں ڈال کر مین اسٹریم سے باہر کا راستہ دکھا دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مجری ادب یا مقبول عام ادب یا ادبی اصناف یا اس طرح کے دوسرے خانے یا زمرے بنا لیے جاتے ہیں۔ مجھے یہ مثبت یا ایماندارانہ رویہ معلوم نہیں ہوتا۔ ابن صفی اور ان کے ناولوں کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کیا گیا کہ پہلے تو اسے جاسوسی ناول کہہ کر الگ کیا گیا اور بعد میں اس قسم کے ناولوں کو مقبول عام ادب کہہ کر ادب کے مین اسٹریم سے باہر رکھنے کی کوشش کی گئی جب کہ نہ صرف ابن صفی کے دور میں بلکہ موجودہ دور میں بھی ان کے ناولوں کی اہمیت وافادیت کسی بھی طرح کم نہیں ہوئی ہے۔ ان کی تخلیقات میں موجود انسانی جذبات، سماجی مسائل، ثقافتی پہلو اور زبان کی چاشنی آج بھی قاری کو متوجہ کرتی ہے۔ آج بھی ان کے ناول کا مطالعہ نئی نسل کے لیے زبان کی تدریس کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لیے اردو ادب کی دنیا میں ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، اور ان کے ناولوں کا مطالعہ نہ صرف تفریحی بلکہ فکری لحاظ سے بھی فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ ابن صفی کی ادبی وراثت آج بھی اردو ادب کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔

☆☆☆